مشن بنیاد

کہانیوں کا ذخیرہ-2

اردو

جماعت: چھٹی تا آٹھویں

GNCT OF DELHI

تعلیم ڈائریکٹوریٹ

دہلی سرکار

فروخت کے لئے نہیں

بشکریہ

دہلی پاٹھیہ پوستک بیورو

सत्यमेव जयते

نائب وزیر اعلیٰ

قومی دار الحکومت، دہلی سرکار

یہ ایک کڑوی سچائی ہے کہ دلّی میونسپلٹی کے پرائمری اسکولوں اور دلّی سرکار کے ثانوی اسکولوں میں پڑھنے والے بہت طالبِ علم اپنی جماعت کی سطح کی درسی کتابوں کو پڑھنے سے قاصر ہیں۔

پچھلے تین سالوں میں، دلّی سرکار نے ایسے کئی اقدام اٹھائیں جن سے جماعت 6 سے 8 کے بچّوں کی تعلیمی سطح میں سدھار آیا۔ اس پہل سے ہمیں اچھے نتائج بھی ملے۔ البتّہ ہم نے یہ بھی جانا کہ ہم سبھی بچّوں کو ان کی تعلیمی سطح تک لانے میں مکمّل طور پر کامیاب تب ہی ہو سکتے ہیں جب ہم پرائمری جماعتوں سے ہی بچّوں کی تعلیم پر توجّہ دیں۔

سرکاری اسکولوں میں پڑھ رہے ہر طالبِ علم کو کامیاب ہونے کا ہر طریقے سے موقع ملنا چاہیئے۔ ''کوئی بھی بچّہ پیچھے نہ چھوٹے۔'' یہ یقینی کرنا، ''**مشن بنیاد**'' کی کوشش ہے۔ بچّوں میں پڑھنے کی صلاحیت اور ریاضی کے بنیادی (بیسک) مسائل کو مل کر حل کرنے کی صلاحیت بے حد ضروری ہے۔ انہیں صلاحیتوں کی بنیاد پر آگے کی جماعتوں میں اساتذہ دیگر مضامین کو سکھا سکتے ہیں۔

سبھی والدین کے مکمّل تعاون کے ذریعے ہی ''**مشن بنیاد**'' کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے سبھی بچّوں کی روزانہ اسکول آنے کیلئے حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ اہم مضامین اور عنوان کا بہ خوبی علم حاصل کر سکیں۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے قدم سے ہم اپنے بچّوں کی کامیابی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اساتذہ اور والدین ساتھ مل کر سبھی بچّوں کیلئے ایک روشن مستقبل تعمیر کریں گے۔

''شکشت راشٹر سمرتھ راشٹر''

نیک خواہشات کے ساتھ

مَنیش سِسودیا

بچوں کی تعلیمی بنیاد کو پختہ کرنے کے مقصد سے مرتب کیے گئے تعلیمی مواد کے تجزیے کے لیے ہم ریاض اختر (گورنمنٹ بوائز سینئر سکنڈری اسکول، سرائے روہیلا) کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم محمد اسعد انور (گورنمنٹ سرووددے بال ودیالے) کے بھی شکرگزار ہیں جنھوں نے اس کتابچے کی تالیف کے فرائض انجام دیے۔

ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن
حکومتِ دہلی

جماعت میں گائے

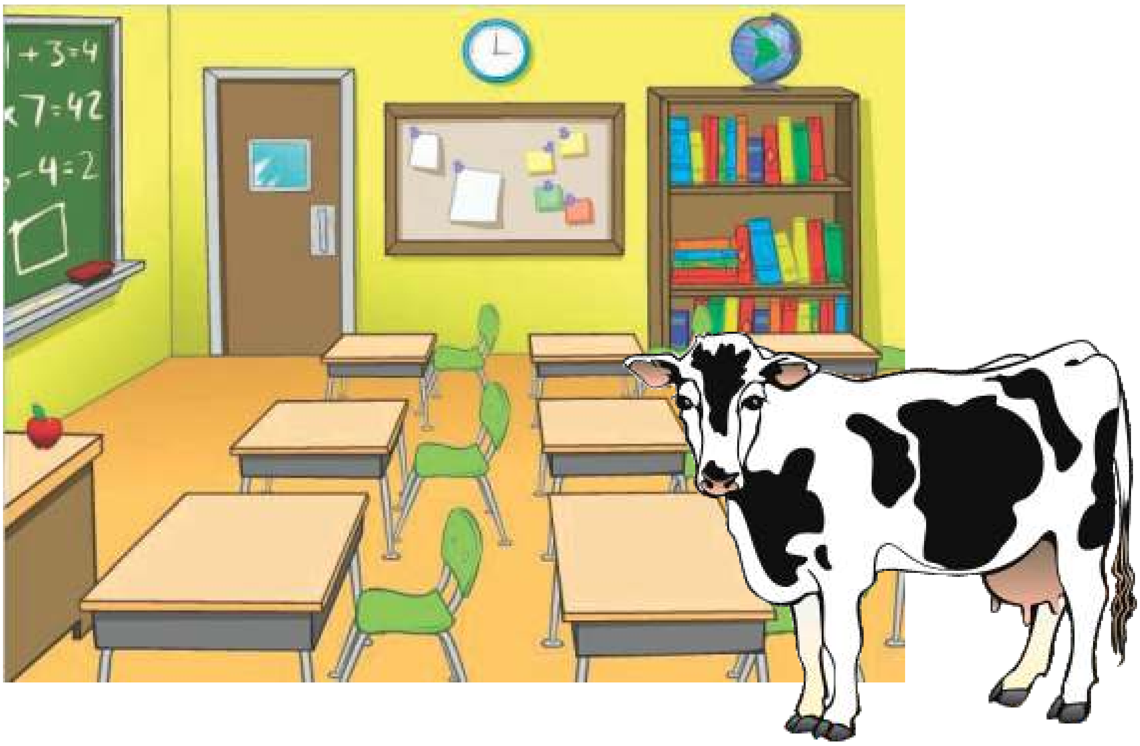

جماعت میں سبق شروع ہو چکا تھا۔ بچّے پڑھ رہے تھے، جماعت کے باہر بارش ہو رہی تھی، ٹیچر پڑھا رہی تھی۔ اچانک بارش تیز ہونے لگی یہاں تک کہ اونچی گرج کے ساتھ بارش میں شدت پیدا ہوگئی۔

جماعت کی چھت سے پانی کی بوندوں کی آوازیں آنے لگی۔ ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی۔ ان تمام حالات کے باوجود بچّوں کی توجہ پڑھائی پر ہی لگی ہوئی تھی۔ دورانِ تعلیم اچانک جماعت کے دروازے پر کچھ ہلچل سی ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے سب کا خیال اس طرف جانے لگا، اصل میں دروازے پر گائے کھڑی ہوئی تھی جو بارش میں بھیگی ہوئی اور ٹھنڈ میں کانپتی ہوئی جماعت میں داخل ہوگئی تھی۔ گائے کو دیکھ کر ٹیچر ڈر کر کونے میں کھڑی ہوگئی۔ گائے کو جماعت میں دیکھ کر بچّوں کو مزا آنے لگا لیکن کچھ بچے گھبرا کر بینچ پر چڑھ گئے۔ ٹیچر اور بچوں کی ہلچل سے گائے بھی تھوڑی سی گھبرا گئی اور ڈر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ گائے کو ایسا لگا کہ جیسے میں کہاں آ گئی؟ اور بچے یہ سوچ رہے تھے کہ یہ یہاں کیسے آ گئی؟

اور اس کو باہر کیسے نکالا جائے؟ یہ منظر بہت ہی مزیدار تھا۔ پھر کسی نے جا کر چوکیدار کو بلایا۔ اس نے ڈنڈے سے گائے کو بھگانے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس کے بعد کسی نے پرنسپل کو بلایا۔ پرنسپل نے آ کر منہ سے ہل، ہل، ہل کہہ کر اُسے باہر نکال دیا۔ گائے ایک، ایک قدم بڑھاتے ہوئے جماعت سے باہر چلی گئی، جب تک بارش بھی رک گئی۔

جنگل میں کڑاکے کی سردی

ایک بار جنگل میں بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی۔ جانور بہت پریشان تھے کہ اُنہیں اُس مشکل سے بچنے کے لیے کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تمام جانوروں نے آپس میں مل کر مشورہ کیا کہ ہمیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

بندر نے کہا '' کیا ہم انسانوں کی طرح سوئٹر خرید لیں'' یہ سن کر لومڑی بولی '' ارے پگلے! ہر جانور کے سائز کا سوئٹر کہاں ملے گا؟ ژراف کی گردن اور ہاتھی کی سونڈ سوئٹر میں سے کیسے نکلے گی؟ یہ سن کر سب ہنسنے لگے۔

خرگوش نے بکری کے کان میں کہا '' ہم شیر اور ببر کے غار میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں تھوڑی گرماہٹ ہوگی'' بکری بولی '' نا بابا نا' وہاں جانے سے تو سردی سہنا ہی بہتر ہے''۔ آخر میں سب نے سوچا کہ آگ کا ڈھیر لگایا جائے۔ سب کام پر لگ گئے' ہرن اور خرگوش سوکھی گھاس لائے' ہاتھی اور ژراف سوکھے درخت کی ڈالیاں توڑ کر لائے۔

شیر اور ببر نے اپنے پنجوں سے زمین میں گڑھا کیا اور لکڑیاں جمع کرنے لگے۔ گلہری اور بندر گاؤں سے چراغ لائے، سب نے لکڑیوں کا ڈھیر جلایا' ایسی آگ لگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے سردی غائب ہوگئی۔ تمام جانور آگ کے ڈھیر کے قریب خوشی سے ناچنے لگے۔

پیڑے کا درخت

اقبال کو پیڑے کھانا بہت پسند ہے۔ گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر وہ پیڑے کھا رہا تھا۔ ممبئی کا رنگین پیڑا بہت ذائقہ دار ہوتا ہے لیکن اس پیالے میں ایک ہی پیڑا باقی رہ گیا تھا۔

اسی دوران اقبال کچھ سوچ کر جھٹ سے اُٹھا، اور کلہاڑی لے کر زمین میں گڑھا کھودنے لگا، گڑھا کھودنے کے بعد پیالے میں رکھے ہوئے پیڑے کو گڑھے میں رکھ دیا اور اوپر سے مٹی ڈال کر دو گھڑے پانی ڈالتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگا کہ ''یہ پیڑا ایک، دو دن میں بیج کی طرح جڑ پکڑ لے گا پھر اس کو ڈالیاں لگیں گی، پھر ان ڈالیوں پر پتّے آئیں گے۔

آہستہ آہستہ یہ درخت بڑا ہو جائے گا، پھر اس پر کلیاں کھلیں گی اس کے بعد پھول نمودار ہوگا۔ پھر یہ پھول پیڑے سے بدل جائے گا۔ اس طرح ایک ہی وقت میں اس پر بہت سے پیڑ لگنے لگیں گے۔ پھر تو روز پیڑے کھانے کو ملیں گے، جب چاہیں جتنے چاہیں ہمیں پیڑے ملیں گے۔ جب درخت بڑا ہو جائے گا تو میں اس پر چڑھ جاؤں گا، اس درخت پر گہرے سبز رنگ کے پتے ہوں گے اور پتے بھی گول ہوں گے، پھولوں کا رنگ پیلا ہوگا، ان کی خوشبو پیڑے جیسی ہوگی۔

درخت جب پیڑوں سے بھر جائے گا تو آنگن میں پیڑوں کی خوشبو آئے گی۔ میں اپنے سارے دوستوں کو گھر پر بلا کر پیڑے کا درخت دکھاؤں گا۔'' اس نے ماں کے پاس جا کر پیڑوں کے درخت کی تفصیل بتائی۔ ماں ہنسنے لگی اور بولی ''بیٹا! پیڑے درخت پر نہیں لگتے، تم نے جو پیڑا بویا ہے وہ نہیں اُگے گا، پانی ڈالنے سے وہ تو گھل گیا ہوگا''۔

یہ سن کر اقبال ناراض ہو گیا۔

ماں نے دودھ گاڑھا کر کے کھوا بنایا، شکر اور میدہ ملا کر پیڑے بنائے۔

اقبال خوش ہو گیا۔ اس طرح اقبال کی سمجھ میں آ گیا کہ پیڑے کیسے بنتے ہیں۔

گہرا کنواں

جنید مئی کی گرمیوں میں ماما جی کے گاؤں گیا تھا۔ ماما جی نے اُسے ایک بڑا کنواں دکھایا۔ کنواں بہت ہی گہرا تھا، پانی بہت نیچے تھا۔
پانی کا رنگ سیاہ اور سبز تھا۔
جنید نے پوچھا۔ ماما جی! کیا یہ پانی گندہ ہے؟ ماما جی نے کہا'' نہیں' گہرائی میں ہونے کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہے۔''
جنید نے وہاں دیکھا کہ کچھ لوگ بالٹی کو رسّی سے باندھ کر کنویں میں ڈال رہے تھے۔ اور پانی نکال رہے تھے اسی پانی سے وہ لوگ اپنے ہاتھ اور پاؤں بھی دھو رہے تھے۔ اور برتن' کپڑے بھی دھو رہے تھے۔ یہ کام لگاتار جاری تھا۔
یہ منظر دیکھ کر جنید کے دل میں ایک سوال پیدا ہوا اور اس نے پوچھا'' ماما جی! اس کنویں کا پانی لوگ بہت زیادہ استعمال کر رہے ہیں۔ کیا ان کے اس طرح زیادہ استعمال کرنے سے پانی ختم تو نہیں ہو جائے گا؟''
ماما جی نے جواب دیا'' نہیں یہ پانی ختم نہیں ہوگا''۔ تبھی جنید نے دوسرا سوال کیا کہ ماما جی!'' اتنے زیادہ استعمال کے بعد بھی پانی کیوں ختم نہیں ہوگا؟ ''
ماما جی بولے! عام طور پر بہت سے کنوؤں کا پانی ختم ہو جاتا ہے اور کنویں سوکھ بھی جاتے ہیں لیکن ہمارے کنویں میں پانی پورے سال میں کبھی ختم نہیں ہوتا ہے کیوں کہ ہمارے کنویں کی تل میں بارہ مہینے بہنے والی پانی کی جھرنیں ہیں۔ اسی لئے ہمارا کنواں کبھی نہیں سوکھتا ہے۔ اور کنویں کی تل میں بہت پانی ہوتا ہے۔
اس طرح جنید گہرے کنویں کے راز سے واقف ہوگیا۔

آہستہ پڑھنا

مجھے اپنے بچپن کی ایک بات یاد آتی ہے۔ میں، پڑھنا سیکھ رہا تھا۔ جہاں بھی کوئی لفظ نظر آتا تو میں اسے فوراً پڑھنے لگتا تھا۔ مجھ پر پڑھنے کا بھوت سوار تھا۔ چھوٹی دکان کی تختیوں سے لے کر راستے پر لگے ہوئے ناموں کے بورڈس تک زور زور سے پڑھنے لگتا تھا۔ امّی، ابّو، چاچا، چاچی، دادا، دادی وغیرہ میرے اس عمل سے بہت خوش تھے، میری تعریف کرتے تھے۔ اس وجہ سے بھی میں ہوا میں اڑنے لگتا تھا۔

لیکن میرا یہ شوق حد سے زیادہ بڑھتے جا رہا تھا، یہاں تک کہ میں نیند کی حالت میں بھی پڑھنے لگتا تھا۔

ایک بار ماما جی بازار سے انگور لے آئے۔ انگور اخبار میں لپٹے ہوئے تھے۔ اخبار تھوڑا بھیگا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے الفاظ صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں سب سے چھپ کر، پلنگ کے نیچے بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ لیکن عادت سے مجبور آہستہ تو پڑھا نہیں جاتا تھا۔ اسی لیے کچھ گڑبڑ ہو گئی۔ یعنی میں نے بکری چَرانے والے چاند پاشاہ کو بکری چُرانے والے چاند پاشاہ پڑھ لیا۔ میرے ماما جی میری آواز دور ہی سے سن رہے تھے انہوں نے نیچے جھک کر ہنستے ہوئے کہا کہ بیٹا! ایک مرتبہ پھر سے پڑھو، میں سمجھ گیا کہ میں نے کیا غلطی کی ہے، پھر میں زور، زور سے ہنسنے لگا۔

ہنس

ایک تالاب میں بطخ کے بچّے رہتے تھے۔ کچھ سفید اور کچھ بھورے رنگ کے تھے۔ کسی کی دُم پر خوبصورت نشان تھے، بچّے بہت خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ ان میں ایک بچّہ الگ تھا۔ اس کی جسامت دوسرے بچّوں سے بڑی تھی، اس کا رنگ پھیکا تھا، اس کی گردن ہمیشہ نیچے ہی جھکی ہوئی رہتی تھی، دوسرے بچّے اس کے ساتھ کھیلنا پسند نہیں کرتے تھے۔

انہیں لگتا تھا کہ ''یہ بدصورت بچّہ نہ جانے ہمارے پاس کہاں سے آ گیا ہے جو ہم جیسا خوبصورت نہیں ہے، ہم اس کے ساتھ کیسے کھیلیں گے؟ وہ تو اپنی گردن بھی سیدھی کرنا نہیں جانتا۔'' بے چارہ بچّہ اکیلا تالاب کے کنارے بھٹکتا پھرتا تھا۔ کبھی وہ تالاب کی مچھلیوں کے ساتھ کھیلتا تو کبھی پانی پر جمی کنجال کے ساتھ تو کبھی سورج کی کرنوں سے۔

اس طرح کچھ دن گذر گئے۔ تمام بچّے بڑے ہوگئے۔ اپنی ہی دُھن میں رہنے والے ان بچّوں نے اس الگ سے بچّے کو کبھی نہیں اپنایا۔ ایک دن وہ بچّہ ان کے پاس آیا۔ اس کی گردن ابھی جھکی ہوئی تھی، بطخوں نے اسے کترنے کی کوشش کی۔ تب اس نے اپنی گردن اٹھائی۔ سب کہنے لگے ارے! یہ تو ہنس ہے کتنا خوبصورت ہے۔ تمام بطخ حیران ہوکر کہنے لگے کہ ''ہم جسے اب تک بدصورت سمجھ رہے تھے وہ تو ایک خوبصورت ہنس نکلا۔''

یہ بات سمجھنے پر بطخوں نے اپنا سر شرم سے جھکا لیا۔

ماما جی کا گاؤں

عید کی چھٹیوں میں فیاض ماما جی کے گاؤں گیا تھا۔ گاؤں کا نام کمل پور تھا۔ فیاض کے ماما جی کے گاؤں میں ہفتہ میں ایک بار سبزی منڈی لگتی تھی۔ ایک دفعہ ماما جی فیاض کو منڈی لے گئے۔ منڈی میں لوگوں کی بہت بھیڑ تھی۔ ماما جی نے فیاض سے کہا کہ کمل پور کی منڈی میں آس پاس کے لوگ آتے ہیں کوئی مال خریدنے آتا ہے تو کوئی بیچنے۔

فیاض سب کچھ دیکھ رہا تھا، لوگ سبزی، جلیبی، انڈے، مرغی، بکری، غبارے، کھلونے، کبوتر اور چڑیوں کی خرید و فروخت کر رہے تھے۔

پیپل کے درخت کے نیچے شربت اور برف کے گولے بیچنے والا تھا۔ وہاں ماما جی اور فیاض نے لیموں کا ٹھنڈا شربت پیا۔ اور ماما جی نے گھر کے لئے تھوڑی سبزی خریدی اور کمل پور کی مشہور جلیبی خرید کر گھر لوٹ گئے۔ راستے میں ماما جی نے فیاض کو ایک چھوٹا باجہ اور بطخ کی شکل کا غبارہ خرید کر دیا۔ اور بتایا کہ اگلے ہفتے ہم کمل پور کا قلعہ دیکھیں گے۔

گاؤں میں ایک بڑا قلعہ ہے۔ اس کے راستے میں برگد اور ساگوان کے بڑے بڑے درخت ہیں۔ قلعہ میں بڑی سرنگ ہے اور قلعہ کے باہر تالاب ہے، مجھے اُمید ہے کہ تمہیں قلعہ پسند آئے گا۔ یہ سن کر فیاض خوش ہوا اور رات کو قلعہ کا خواب دیکھتے دیکھتے سو گیا۔

کنجوس کی چالاکی

ایک کنجوس ایک بار بہت سا سامان لانے کے لیے بازار گیا۔ سامان بہت زیادہ تھا، تھوڑی دُور لے جانے پر ہی اس کی سانس پھولنے لگی تو اس نے سامان کو ایک درخت کے نیچے رکھ دیا اور اسے گھر تک لے جانے کی ترکیب سوچنے لگا۔
بہت سی سواریاں اُدھر سے گزر رہی تھیں، لیکن وہ ایک پیسہ خرچ کرنے کو تیار نہ تھا' وہ اُسی درخت کے نیچے بیٹھا رہا۔ تبھی اُس نے کچھ آدمیوں کو اِدھر سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اُن میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ ''میرے جیسا پہلوان کوئی نہیں ہے۔'' تو دوسرا بھی اپنے آپ کو بہت طاقتور بتا رہا تھا۔ کنجوس سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ کنجوس اُن لوگوں کے نزدیک جا کر کہنے لگا۔ '' ہوسکتا ہے آپ میں سے کوئی پہلوان ہو لیکن وہ ثبوت پیش کرے تو مانا جاسکتا ہے۔ ایک آدمی نے پوچھا کیا ثبوت پیش کرنا ہوگا ؟ تب کنجوس نے کہا اگر آپ اس سامان کو بغیر تھکے میرے گھر تک پہنچا دیں تو میں مان لوں گا کہ آپ واقعی پہلوان ہو ویسے میں تو اسے ایک ہی ہاتھ میں اٹھا سکتا ہوں۔
ایک بے وقوف شخص آگے بڑھا اور اس نے فوراً سامان اُٹھا لیا اور اسے دیکھتے ہی دیکھتے کنجوس کے گھر تک پہنچا دیا۔ تب کنجوس نے دل ہی دل میں پیسے خرچ نہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا اور اُس آدمی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ''واقعی تم پہلوان نکلے'' یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔

سوالات:

1) کنجوس سامان لانے کے لیے کہاں گیا؟
2) کنجوس کی سانس کیوں پھولنے لگی؟
3) کنجوس نے کیا چالاکی کی؟
4) کنجوس کی جگہ اگر آپ ہوتے تو کیا کرتے؟

کبوتر اور شہد کی مکھّی

ندی کے کنارے درخت پر بیٹھا ہوا ایک کبوتر درخت کا ایک ایک پتّہ پانی میں ڈال رہا تھا۔ کاغذ کی ناؤ کی طرح وہ پتّہ پانی پر تیر رہا تھا۔ کبوتر چونچ میں پتّہ پکڑتا اور پانی میں ڈالتا تھا۔ دیکھنے والوں کو بہت مزہ آ رہا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہے تھے کہ کبوتر ایسا کیوں کر رہا ہے۔ یہ بعد میں سمجھ میں آیا۔ دراصل ایک شہد کی مکھّی پانی میں گر کر غوطے کھا رہی تھی۔ کبوتر اُسے پانی سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کبوتر کے پھینکے ہوئے پتّوں میں سے ایک پتّہ مکھّی کے قریب گرا۔ غوطہ کھا رہی شہد کی مکھّی پتّے پر بیٹھ کر کنارے تک پہنچ گئی اور اپنے چھتّے میں جا کر بیٹھ گئی۔ ایک دن جنگل میں ایک اُونچا، تگڑا شکاری ہاتھ میں بندوق لے کر آیا۔ وہ پرندوں کا شکار کرنے کے لیے آیا تھا۔ اُسے درخت پر ایک کبوتر نظر آیا اُس نے مارنے کے لیے اپنی بندوق سنبھالی۔ اس سے پہلے کہ وہ کبوتر کی طرف بندوق کا رخ کر کے گولی چلاتا اس کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ گئی۔ وہ حیران ہو کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔ جس پر شہد کی مکھی نے زور سے کاٹ لیا تھا۔

اتنی دیر میں کبوتر اُڑ کر دور نکل گیا۔ اِس طرح شہد کی مکھّی نے کبوتر کی نیکی کا جواب اپنی طرف سے بھی نیکی کی صورت میں دیا۔ اس لیے بچّو! جو اچھّے بیج بوتا ہے وہ اچھے پھل کھاتا ہے۔

سوالات:

1) کبوتر پانی میں کیا ڈال رہا تھا؟

2) کبوتر پانی میں پتّے کیوں ڈال رہا تھا؟

3) شہد کی مکھّی کس طرح بچ گئی؟

4) کبوتر شکاری کے حملے سے کس طرح بچ گیا؟

کسان اور دُکان دار

ایک کسان اور دُکان دار دونوں دوست تھے۔ دُکان دار روز کسان کو ایک کلو شکر دیتا اور کسان سے بدلہ میں ایک کلو گیہوں لیتا۔ ایسا کئی روز تک چلتا رہا۔ ایک دِن دُکان دار نے سوچا'' ذرا دیکھیں تو صحیح کسان پورا گیہوں دیتا بھی ہے یا نہیں۔'' اُس نے گیہوں کو تول کر دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ گیہوں تو کم ہے۔ دونوں میں بہت بحث ہوئی اور آخر یہ معاملہ گاؤں کے سرپنچ تک پہنچ گیا ۔ سرپنچ نے دُکاندار کی بات سنی اور کسان سے پوچھا،'' کیا تم گیہوں روز تول کر دیتے ہو؟ کسان نے کہا،'' جی ہاں۔'' سرپنچ نے کسان کو ترازو اور باٹ لانے کے لیے کہا۔ کسان نے جواب دیا،'' باٹ تو میرے پاس نہیں ہے، صرف ترازو ہے۔'' تمام لوگ کسان کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔ سرپنچ نے تھوڑے غصّے سے پوچھا،'' بغیر باٹ کے تم تولتے کیسے ہو؟'' تم بے ایمانی کرتے ہو یہ سن کر کسان نے کہا،'' نہیں سرپنچ صاحب! میں دُکان دار سے روز ایک کلو شکر لے کر جاتا ہوں اور اُسی سے گیہوں تول کر دُکان دار کو دیتا ہوں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ بے ایمانی کون کرتا ہے؟ میں یا یہ دُکان دار۔'' یہ سن کر دُکان دار نے اپنا سر شرم سے جھکا لیا۔''

سوالات:

1) کون کون دوست تھے؟

2) کس کی طرف سب لوگ حیرانی سے دیکھنے لگے؟

3) سرپنچ نے کسان کو بے ایمان کیوں کہا؟

4) سرپنچ نے ترازو اور باٹ لانے کے لیے کیوں کہا؟

5) حقیقت میں بے ایمان کون تھا؟

کیلے کا چھلکا

ریشما کے ابّا جان ایک دن کیلے لائے۔ ریشما کے بھائی ریحان نے کیلا کھایا۔ اس نے چھلکا آنگن میں ہی پھینک دیا۔ اس پر ناراض ہو کر دادا جان بولے۔ ''ریحان چھلکا کوڑے دان میں پھینک دو'' ریحان بولا ''دادا جان میں کھیلنے جا رہا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ نکل گیا۔ دادا جان نے ریشما کو آواز دی۔ ''ریشما چھلکا اُٹھاؤ، نہیں تو کوئی پھسل جائے گا۔'' ریشما بولی ''دادا جان میں پڑھ رہی ہوں، پڑھنے کے بعد پھینک دوں گی۔'' بیمار دادا جان چار پائی پر بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر بولے۔ ''ریشما کی ماں، تم ہی اسے اٹھا کر پھینک دو۔'' ریشما کی ماں نے جواب دیا۔ ''ابّا جی میں کپڑے دھو رہی ہوں، صرف پانچ منٹ رُک جائیے۔'' اتنے میں ریشما کے ابّا جان حمام سے باہر نکلے۔ ایک دم فون کی گھنٹی بجی۔ ابّا جان فون اٹھانے کے لیے دوڑے، اس دوران ان کا ایک پیر کیلے کے چھلکے پر پڑا، جس سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر سب ان کی طرف دوڑ پڑے۔ انہیں پیر میں کافی چوٹ آئی۔ انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کے بائیں پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اس لیے انہیں چھ ماہ تک چلنے سے منع کیا اور آرام کرنے کے لیے کہا۔ سب نے دادا جی کی طرف شرمندگی سے دیکھا۔ ریشما بولی۔ ''دادا جی ہمیں معاف کر دیجئے، اگر ہم آپ کی بات مان لیتے تو آج ابّا جان اسپتال میں نہ ہوتے۔'' دادا جی بولے ''اب جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔'' ریحان نے کہا ''دادا جان ہم آئندہ اس بات کا خیال رکھیں گے۔'' ''ایک چھوٹی سی غلطی کا بھاری نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔'' سب کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

سوالات:

1) کیلا کس نے کھایا تھا؟

2) دادا جان نے خاندان کے کون کونسے افراد کو آواز دی؟

3) ابّا جان دوڑ کر کیوں گئے؟

4) ریشما اور اس کی امّی کیا کر رہے تھے؟

5) سب نے دادا جان کی طرف شرمندگی سے کیوں دیکھا؟

6) آپ کے خیال میں سب سے بڑی غلطی کس نے کی تھی؟ اور کیوں؟

لالچی بندر

ایک جنگل میں بندروں کا ایک بڑا جھنڈ تھا۔ ہر روز صبح سب کھانے کی تلاش میں نکلتے تھے۔ جھنڈ کے راجہ کا ایک اصول تھا۔ جسے بھی کھانا ملے وہ اپنے ساتھ لے کر آئے گا پھر سب مل کر کھائیں گے۔ اس طرح جھنڈ کے تمام بندروں کو پیٹ بھر کھانا مل جاتا تھا۔

ایک دن کھانے کی تلاش میں ایک بندر دور نکل گیا۔ جنگل کے باہر اُس نے ایک کیلوں کا باغ دیکھا۔ باغ دیکھنے کے بعد اُس کے دل میں لالچ پیدا ہوگئی۔ اُس نے سوچا کہ وہ اس باغ کے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گا۔ بندر نے پیٹ بھر کیلے کھائے اور پھر جنگل چلا گیا۔ اُس کے واپس آنے پر سب نے پوچھا کہ تم کدھر گئے تھے؟ تو اس نے طرح طرح کی جھوٹی باتیں سنائی۔ بندر ہر روز جاتا پیٹ بھر کیلے کھاتا، موج مستی کرتا اور واپس جنگل چلا آتا۔ ایک دن بندر کیلے کھا رہا تھا کہ اچانک طوفان آ گیا۔ اکیلا بندر ڈر گیا۔ جنگل کا بھاری نقصان ہوا اُسے واپس جانے کا راستہ بھی نہیں ملا۔

دو دن کے بعد تمام بندر اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے باغ میں جا پہنچے۔ اُنہیں دیکھ کر بندر بہت شرمندہ ہوا۔ اُس نے ساری باتیں سچ سچ اپنے راجہ کو بتا دی۔ اُس واقعہ کے بعد سے اُسے جو بھی ملا اُس نے ہمیشہ مل بانٹ کر کھایا۔

سوالات:

1) ایک دن بندر کس کی تلاش میں بہت دور نکل گیا؟
2) بندر نے کیلے کے باغ کے بارے میں کسی کو کیوں نہیں بتایا؟
3) راجہ کے اصول کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
4) ’’فائدہ‘‘ لفظ کی ضد لکھئے؟
5) آپ کو بندروں کے اِس جھنڈ میں کیا خوبی لگی؟
6) آپ اگر راجہ ہوتے تو جھوٹ بولنے والے بندر سے کیسے پیش آتے؟
7) اگر طوفان نہ آتا تو بندر سب کو باغ کے بارے میں کیا بتاتا تھا؟
8) طوفان آنے سے آپ کے گاؤں میں کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

کچھوا

برسات کا موسم آ رہا تھا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی محلّہ کے کنویں سے گندگی اور کچرا صاف کرنا تھا۔ یہ کام 10 دن چلنے والا تھا، میں بہت خوش تھا، میری بھاگ دوڑ دیکھ کر گھر میں سب ہنس رہے تھے لیکن مجھے اُس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ ان دنوں ہمارے یہاں آنے والے مہمانوں کی مجھے خاطر داری کرنی تھی۔

یہ مہمان تھے کنویں کے تین کچھوے، کنواں صاف کرتے وقت ہر سال ان کچھوؤں کو سنبھالنے کی ذمہ داری کوئی ایک خاندان لیتا تھا۔ ابّو جان کے پیچھے پڑ کر پچھلے سال سے میں نے ہمارے گھر کا نمبر لگایا تھا۔ اب وہ دن آ گیا۔ بڑا کچھوا کتھائی رنگ کا اور دوسرے دو ذرا دونوں مٹیالے رنگ کے تھے۔ خرگوش کو شکست دینے والے یہ جاندار ہمارے گھر آئے تھے۔

انہیں ہم نے اپنے چھوٹے سے حوض میں رکھا، کنویں کے مقابلہ میں یہاں جگہ کم تھی، ابّو جان نے مجھے انہیں چھونے دیا۔ کچھوے کا خول سخت لیکن چکنا تھا۔ اُسے میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھا تھا، گھبرا کر اس نے اپنا سر اندر لے لیا۔ پھر دوسرے دن دھیرے دھیرے اُس نے اپنا سر باہر نکالا۔ انڈے کی شکل کی طرح سر، دو آنکھیں اور بیچ میں ناک تھی، دوسری طرف چھوٹی سی دُم تھی۔

میں نے پڑھا تھا کہ کچھوے گھاس، مینڈک اور مچھلی کھاتے ہیں میں نے سیم کی پھلی کے ٹکڑے انہیں کھانے کو دیا۔ کنویں سے کچھ مچھلیاں بھی لائی گئی تھیں۔ پہلے دن انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ پھر وہ جگہ سے واقف ہو گئے اور کھانے پینے لگے۔ ہمیشہ چھٹیوں میں گھومتے رہنے والا میں اب ماں کے سامنے ہی تھا بار بار میں دیکھ رہا تھا کہ کچھوؤں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

دس دن بعد انہیں پھر کنویں میں چھوڑ دیا گیا۔ مجھے اب برسات کا انتظار تھا۔ جب میں کنویں میں تیروں گا تو کچھوؤں کو پوچھوں گا کہ ''کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟''

سوالات:

1) کون سا موسم آ رہا تھا؟

2) مہمان کون تھے؟

3) کچھوا کیوں گھبرایا؟

4) کچھوے کیا کیا کھاتے ہیں؟

5) ''کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟'' یہ سوال کون کرنے والا ہے اور کب؟

طوطا مینا کی کہانی

ایک دفعہ طوطے کی مینا سے دوستی ہوگئی۔ دونوں نے ساتھ مل کر یہ طئے کرلیا کہ ہم میں سے جس کو بھی کوئی پھل ملے گا تو اُسے ہم آپس میں مل بانٹ کر کھائیں گے۔

مینا جو بھی پھل لاتی اس کا آدھا حصہ طوطے کو دیتی تھی۔ طوطے کو پہلی دفعہ پھل ملا تو اس نے مینا سے پوچھا کہ تجھے پھل کے اندر کا حصہ چاہیئے کہ باہر کا؟ مینا نے سوچا کہ باہر والا تو صرف چھلکا ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے پھل کے اندر کا حصہ مانگا۔ طوطا جو پھل لایا تھا وہ چیکو تھا اس نے چیکو کھایا اور بیج مینا کو دے دیا۔

دوسری بار پھر مینا سے طوطے نے پوچھا کہ تجھے اندر کا حصہ چاہیئے یا باہر کا؟ مینا نے اس دفعہ باہر کا حصہ طلب کیا۔ طوطا اس بار اخروٹ لایا تھا۔ اس نے اخروٹ توڑ کر اندر کی گیری کھائی اور چھلکے مینا کو دے دیئے۔

تیسری بار جب طوطا نے پھل لایا تو پھر مینا سے وہی سوال پوچھنے لگا کہ تجھے اندر کا حصہ چاہیئے کہ باہر کا؟ مینا سوچ میں پڑ گئی کہ میں تو دو مرتبہ دھوکہ کھا چکی ہوں' اب کیا کروں؟ چلو اس بار درمیانی والا حصہ مانگ کر دیکھیں گے۔

آخر اس نے درمیان والا حصہ طلب کیا۔ طوطا اس مرتبہ قوبانی لایا تھا۔ اس نے اوپر کا گودھا کھالیا اور اس کے بعد بیج پھوڑ کر اندر کا بادام کھایا اور بیج کے چھلکے مینا کے سامنے رکھ دیئے۔ مینا اس مرتبہ بھی صرف دیکھتی ہی رہ گئی اور طوطا پر پھیلائے اُڑ گیا۔

درج ذیل سوالات کے صحیح جواب کو منتخب کیجئے۔

سوال(1) **طوطے کی کس کے ساتھ دوستی ہوگئی؟**

جواب:
(الف) طوطے کی مور کے ساتھ دوستی ہوگئی۔
(ب) طوطے کی مینا کے ساتھ دوستی ہوگئی۔
(ج) طوطے کی بطخ کے ساتھ دوستی ہوگئی۔
(د) طوطے کی چیل کے ساتھ دوستی ہوگئی۔

سوال(2) **مینا اپنے پھل کا آدھا حصہ کس کو دیتی تھی؟**

جواب:
(الف) مینا اپنے پھل کا آدھا حصہ طوطے کو دیتی تھی۔
(ب) مینا اپنے پھل کا آدھا حصہ چیل کو دیتی تھی۔
(ج) مینا اپنے پھل کا آدھا حصہ کوے کو دیتی تھی۔
(د) مینا اپنے پھل کا آدھا حصہ بکری کو دیتی تھی۔

سوال(3) **طوطے نے چیکو کا کون سا حصہ مینا کو دیا؟**

جواب: (الف) طوطے نے چیکو کے اندر کا حصہ مینا کو دیا۔

(ب) طوطے نے چیکو کے درمیان کا حصہ مینا کو دیا۔

(ج) طوطے نے چیکو کے باہر کا حصہ مینا کو دیا۔

(د) طوطے نے چیکو کے کونے کا حصہ مینا کو دیا۔

سوال(4) طوطے نے کس پھل کے درمیان کا حصہ مینا کو دیا؟

جواب: (الف) طوطے نے ناریل کے درمیان کا حصہ مینا کو دیا۔

(ب) طوطے نے اخروٹ کے درمیان کا حصہ مینا کو دیا۔

(ج) طوطے نے قوبانی کے درمیان کا حصہ مینا کو دیا۔

(د) طوطے نے چیکو کے درمیان کا حصہ مینا کو دیا۔

سوال(5) **مینا کیوں دیکھتی رہ گئی؟**

جواب: (الف) طوطے نے اس کو تیسری بار بھی دھوکہ دیا تھا اس لیے

(ب) طوطے نے اس کو ایک پھل پورا دیا تھا اس لیے

(ج) طوطے نے اس کو اڑنا سکھایا تھا اس لیے

(د) طوطے نے اس کو تیسری بار بھی ہنسایا تھا اس لیے

سوال(6) **طوطا کیسا تھا؟**

جواب: (الف) طوطا رحم دل تھا۔

(ب) طوطا بیوقوف تھا۔

(ج) طوطا زیادہ کھانے والا تھا۔

(د) طوطا ہوشیار تھا۔

مشن بنیاد

کہانیاں ہی کہانیاں

اردو

جماعت: تیسری تا پانچویں

فروخت کے لئے نہیں

بشکریہ
دہلی پاٹھیہ پوستک بیورو

تعلیم ڈائریکٹوریٹ
دہلی سرکار

सत्यमेव जयते

نائب وزیر اعلیٰ

قومی دارالحکومت، دہلی سرکار

یہ ایک کڑوی سچّائی ہے کہ دلّی میونسپلٹی کے پرائمری اسکولوں اور دلّی سرکار کے ثانوی اسکولوں میں پڑھنے والے بہت طالبِ علم اپنی جماعت کی سطح کی درسی کتابوں کو پڑھنے سے قاصر ہیں۔

پچھلے تین سالوں میں، دلّی سرکار نے ایسے کئی اقدام اٹھائیں جن سے جماعت 6 سے 8 کے بچّوں کی تعلیمی سطح میں سدھار آیا۔ اس پہل سے ہمیں اچھّے نتائج بھی ملے۔ البتّہ ہم نے یہ بھی جانا کہ ہم سبھی بچّوں کو ان کی تعلیمی سطح تک لانے میں مکمّل طور پر کامیاب تب ہی ہو سکتے ہیں جب ہم پرائمری جماعتوں سے ہی بچّوں کی تعلیم پر توجّہ دیں۔

سرکاری اسکولوں میں پڑھ رہے ہر طالبِ علم کو کامیاب ہونے کا ہر طریقے سے موقع ملنا چاہیئے۔ ''کوئی بھی بچّہ پیچھے نہ چھوٹے۔'' یہ یقینی کرنا، ''**مشن بنیاد**'' کی کوشش ہے۔ بچّوں میں پڑھنے کی صلاحیت اور ریاضی کے بنیادی (بیسک) مسائل کو مل کر حل کرنے کی صلاحیت بے حد ضروری ہے۔ انہیں صلاحیتوں کی بنیاد پر آگے کی جماعتوں میں اساتذہ دیگر مضامین کو سکھا سکتے ہیں۔

سبھی والدین کے مکمّل تعاون کے ذریعے ہی ''**مشن بنیاد**'' کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے سبھی بچّوں کی روزانہ اسکول آنے کیلئے حوصلہ افزائی کریں تا کہ وہ اہم مضامین اور عنوان کا بہ خوبی علم حاصل کر سکیں۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے قدم سے ہم اپنے بچّوں کی کامیابی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اساتذہ اور والدین ساتھ مل کر سبھی بچّوں کیلئے ایک روشن مستقبل تعمیر کریں گے۔

''**شکشت راشٹر سمرتھ راشٹر**''

نیک خواہشات کے ساتھ

Manish

مَنیش سِسودیا

بچوں کی تعلیمی بنیاد کو پختہ کرنے کے مقصد سے مرتب کیے گئے تعلیمی مواد کے تجزیے کے لیے ہم ریاض اختر (گورنمنٹ بوائز سینئر سکنڈری اسکول، سرائے روہیلا) کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم محمد اسعد انور (گورنمنٹ سرووددے بال ودیالے) کے بھی شکرگزار ہیں جنھوں نے اس کتابچے کی تالیف کے فرائض انجام دیے۔

ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن
حکومتِ دہلی

دھان کے کھیت

ایک دن ابّا جان ہمیں دھان کے کھیت دِکھانے لے گئے۔ ہر کھیت میں پانی بھرا ہوا تھا۔ پانی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دھان کے پوَدے تھے۔ابّا جان نے ہمیں بتایا کہ کچھ دِنوں کے بعد اِن پوَدوں میں دھان کی بالیاں لگیں گی۔ بالیاں پک کر سُوکھ جاتی ہیں تو اُنہیں کاٹ لیتے ہیں۔

دھان کو صاف کرکے چاول حاصل کرتے ہیں۔ابھی ہم کھیت دیکھ ہی رہے تھے کہ بارِش شروع ہوگئی اور ہم گھر لوَٹ آئے۔

دوستی

زینت اور شیلا میں بڑی دوستی ہے۔

عید کے دن شیلا، زینت سے عید ملنے آتی ہے۔ شیر خُورمہ پیتی ہے۔ دیوالی کے دن زینت بھی شیلا کے گھر جاتی ہے۔ دیوالی کی مٹھائی کھاتی ہے۔

شیلا اور زینت اپنی سالگرہ بھی مِل جُل کر مناتی ہیں۔ دونوں کیسی اچھّی بچیّاں ہیں۔ انہوں نے اپنی اچھّی باتوں سے سب کا دِل جیت لیا ہے۔

سمجھ دار منّو

منّو کے گھر میں ایک باغیچہ تھا۔ وہ ہر روز باغیچے میں جاتا اور آسمان میں اُڑتے پرندوں کو دیکھ کر خوش ہو جاتا۔ اُسے پرندے بہت اچھّے لگتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی اپنی ماں سے پوچھتا کہ ہم کیوں نہیں اُڑ سکتے؟ یہ اُس کا روز کا سوال تھا۔ لیکن آج اُس نے دیکھا کہ ایک چڑیا کو چوٹ لگی ہے۔ وہ اُڑ بھی نہیں پا رہی تھی۔ منّو نے جھٹ سے چڑیا کو اٹھایا' پٹی باندھی اور پانی پلایا۔ چڑیا پھر سے اُڑنے لگی۔ چڑیا کو اُڑتا دیکھ کر منّو بہت خوش ہوا۔

لالچی کتّا

ایک کتّے کو روٹی کا ٹکڑا مل گیا۔ وہ منہ میں دبائے بھاگا جا رہا تھا تاکہ کسی جگہ بیٹھ کر اطمینان سے کھا سکے۔ وہ ایک دریا کے پُل پر سے گزرا۔ اس نے پانی پر اپنی پرچھائی دیکھی۔ وہ سمجھا کہ یہ کوئی اور کتّا ہے۔ اس کے منہ میں بھی روٹی کا ٹکڑا ہے۔ لالچ میں آ کر اس نے غرّاتے ہوئے پرچھائی پر حملہ کر دیا۔ جوں ہی اس نے پرچھائی کے ٹکڑے پر منہ مارا خود اس کا ٹکڑا منہ سے نکل کر پانی میں گر گیا۔

اس طرح لالچی کتّے نے اپنا ٹکڑا بھی کھو دیا۔ اِسی لیے کہتے ہیں کہ
”لالچ بُری بلا ہے۔“

چیونٹی اور ہاتھی

ایک بار رانی چیونٹی نے ہاتھیوں کے سردار کو مار ڈالا تھا۔ جب سے چیونٹیوں اور ہاتھیوں کی دشمنی چلی آ رہی ہے۔ کئی بار دوسرے جنگل واسیوں نے صلح کرانے کی کوشش کی، لیکن چیونٹیاں نہیں مانی۔ پھر بھی ہاتھیوں کا سردار اپنی بہن کی شادی کی دعوت دینے چیونٹیوں کے پاس پہنچا۔ لیکن رانی چیونٹی نے اس کی بے عزتی کی۔ چیونٹیوں کی راج کماری نے فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ تبھی ہوا کا تیز جھونکا آیا۔ چیونٹیوں کی فوج کیچڑ میں پھنس گئی۔ رانی چیونٹی پریشان ہوگئی۔ تب ہاتھی نے پیڑ سے ٹہنی توڑ کر کیچڑ میں ایک پل بنا دیا۔ چیونٹی اور اس کی فوج پتوں پر چڑھ کر باہر آ گئی۔ ہاتھی نے چیونٹیوں کا بھروسہ جیت لیا۔

نوشیرواں عادل

ایران کے ایک بادشاہ کا نام نوشیرواں تھا۔ وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔ اس لیے نوشیرواں عادل کے نام سے مشہور رہوا۔

ایک بار نوشیرواں نے ایک بڑا محل بنوایا۔ وہ محل جس زمین پر بن رہا تھا اس پر ایک بُڑھیا کا جھونپڑا تھا۔ اس جھونپڑے کی وجہ سے محل کی ایک دیوار سیدھی نہیں بن سکتی تھی۔ نوشیرواں نے اس بُڑھیا سے وہ جھونپڑا خریدنا چاہا اور بُڑھیا سے کہا کہ وہ جو بھی قیمت چاہے لے لے۔ بُڑھیا نے اپنا جھونپڑا بیچنے سے انکار کر دیا۔ نوشیرواں نے حکم دیا کہ بُڑھیا کا جھونپڑا اسی طرح رہنے دیا جائے۔ محل کی دیوار ٹیڑھی بنا دی گئی، جو دیکھنے والوں کو یہ یاد دِلاتی رہی کہ نوشیرواں سچ مچ نوشیرواں عادل تھا۔

مور کی دُم پر پیسہ

ایک مرتبہ جنگل کی رانی اُداس ہوگئی۔اس نے ہنسنا بولنا بند کر دیا۔ جنگل کے سبھی جانور پریشان ہوگئے۔ ہر ایک نے رانی کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ پہلے کوئل آئی، اس نے کُو کُو کا گیت گایا۔گانا سُن کر بھی رانی اُداس ہی رہی۔ بندر آیا، وہ خوں خوں کرتا اُچھلا کُودا، مگر رانی کو ہنسی نہ آئی۔طوطے نے ٹیں ٹیں کی رٹ لگائی، کبوتر غٹرغوں غٹرغوں کرتا رہا۔ بھالو نے ناچ دکھایا۔مگر رانی کا جی خوش نہیں ہوا۔آخر میں مور پیروں میں گھنگھرو باندھ کر آیا۔وہ پروں کو پھیلا کر چھم چھم کرتا ناچا۔رانی کا جی خوش ہوگیا۔خوش ہوکر اس نے سونے چاندی کے پیسے مور پر اُچھالے۔ پیسے اس کی دُم پر چپک گئے۔آج بھی وہ پیسے مور کی دُم پر نظر آتے ہیں۔اِسی لیے جب کوئی ہم سے پہیلی بوجھنے کو کہتا ہے کہ ایک جانور ایسا جس کے دُم پر پیسہ؟ تو ہم فوراً جواب دیتے ہیں..........مور!

ایماندار نوکر

ایک غریب اور نیک آدمی نے اپنے گزر بسر کے لیے ایک امیر آدمی کے باغ میں نوکری کرلی ۔ ایک دن مالک باغ میں آیا اور کہا ’’ہمارے لیے میٹھا انار لاؤ‘‘۔

باغبان ایک بڑا خوش رنگ انار لے کر حاضر ہوا۔ مالک نے کھایا اور کہا ’’یہ تو کھٹّا ہے۔ہم نے میٹھا انار لانے کو کہا تھا‘‘۔

باغبان دوسرے درخت سے بڑا خوش رنگ انار توڑ لایا۔ مالک نے اس کو کھایا تو وہ بھی کھٹّا تھا۔اب تو مالک بہت بگڑا اور کہا ’’تم اتنے دن سے ہمارے باغ کی رکھوالی کررہے ہو اور ابھی تک یہ بھی نہیں جانتے کہ کس درخت میں میٹھے انار لگتے ہیں اور کس میں کھٹّے ‘‘۔

باغبان نے بڑی نرمی سے جواب دیا مالک ! ’’میں پھلوں کی رکھوالی پر نوکر ہوں‘ پھل کھانے پر نہیں ۔ میں نہیں جانتا کہ میٹھے انار کا درخت کون سا ہے اور کھٹّے انار کا کون سا‘‘۔

بادل

گرمیوں کے دن تھے ۔ دن بھر دھوپ بہت تیز تھی ۔ ہوا کے ساتھ بادل کا ایک ٹکڑا آسمان میں اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ پانی کی بوندوں سے بادل بھرا ہوا تھا۔ بچے اُسے دیکھ کر خوشی سے ناچنے اور گانے لگے۔ ہوا کے جھونکے نے کہا ”بادل بھیا! اب تو برسو، برسنے پر تم ہلکے ہو جاؤ گے۔

لیکن بادل نے اس کی بات نہیں مانی ۔ اسے پانی جمع کر کے بڑا بادل بننا تھا۔ یعنی بادلوں کا راجہ بننا تھا۔ بارش نہیں ہوئی۔ جس سے قحط پڑ گیا' ندیاں' تالاب کھیت سب سوکھ گئے ہر کوئی بارش ہونے کا منتظر تھا۔ لیکن بادل نہیں برسا اور اس کی کوشش ناکام ہو رہی تھی کیوں کہ وہ بڑا نہیں ہو رہا تھا۔

بادل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ دھیرے دھیرے وہ برسنے لگا۔ پھر بارش دھواں دار ہونے لگی ۔ کھیتوں میں فصل اُگنے لگی' بادل برسنے پر روئی جیسا ہلکا پھلکا ہو گیا اور چھوٹا ہو گیا۔ بارش رک گئی ۔ سب کو خوش دیکھ کر بادل بھی خوش ہو گیا اور ہوا کے ساتھ گھومنے لگا۔

امّی کی تھیلی

رانی کی امّی روز گھر سے خالی تھیلی لے کر جاتی ہیں اور جب گھر واپس آتی ہیں تو ان کی تھیلی پھل اور سبزیوں سے بھری ہوتی ہے۔ رانی ہر روز سوچتی ہے کہ یہ تھیلی کیسے بھرتی ہے؟

ایک دن رانی نے بھی امّی کے ساتھ چلنے کی ضد کی۔ امّی رانی کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگیں۔ چلتے چلتے وہ ایک بڑے سے بازار میں پہنچ گئیں۔ وہاں پر بہت سارے لوگ تھے۔ سبھی کے ہاتھوں میں تھیلیاں تھیں۔

امّی ایک پھلوں کی دُکان کے پاس رک گئیں۔ انھوں نے دُکاندار سے کچھ پھل لیے۔ اور پھر اس دُکاندار کو پیسے دیے۔ امّی آگے بڑھیں اور انھوں نے کچھ سبزیاں خریدیں اور پیسے دیے۔ امّی کی تھیلی پھر سے بھر گئی۔

رانی نے امّی سے پوچھا ''آپ نے اس دُکاندار کو پیسے کیوں دیئے''؟ امّی مسکرانے لگیں اور بولی رانی بیٹی دنیا میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی۔

اب رانی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ امّی کی تھیلی کیسے بھرتی ہے۔

ماماجی کا گاؤں

عید کی چھٹیوں میں فیاض ماماجی کے گاؤں کمل پور گیا تھا۔ گاؤں میں ہفتہ میں ایک بار سبزی منڈی لگتی تھی۔ ایک دفعہ ماماجی فیاض کو منڈی لے گئے۔ ماماجی نے کہا کہ کمل پور کی منڈی میں آس پاس کے لوگ آتے ہیں کوئی مال خریدنے آتا ہے تو کوئی بیچنے۔

فیاض سب کچھ دیکھ رہا تھا' لوگ سبزی' جلیبی' انڈے' مرغی' بکری' غبارے اور کھلونے خرید و فروخت کر رہے تھے۔

پیپل کے درخت کے نیچے برف کے گولے کی منڈی تھی۔ وہاں ماماجی اور فیاض نے لیموں کا ٹھنڈا شربت پیا۔ اور ماماجی نے گھر کے لیے تھوڑی سبزی خریدی۔ کمل پور کی مشہور جلیبی خرید کر گھر لوٹ گئے اور بتایا کہ اگلے ہفتہ کو ہم کمل پور کا قلعہ دیکھیں گے۔

گاؤں میں ایک بڑا قلعہ ہے۔ قلعہ میں بڑی سرنگ اور تالاب ہے' مجھے اُمید ہے کہ تمہیں قلعہ پسند آئے گا۔ یہ سن کر فیاض خوش ہوا۔

ہاتھی اور درزی

ایک سادھو اپنے ہاتھی کو روزانہ پانی پلانے کے لیے ندی پر لے جاتا تھا۔ راستے میں ایک درزی اپنی دُکان سے نکل کر اسے کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ دیتا تھا۔ کبھی روٹی، کبھی گنّا تو کبھی کیلے۔ اس طرح ہاتھی اور درزی میں دوستی ہو گئی تھی۔

ایک دن درزی غصّہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھی نے عادت کے مطابق اپنی سونڈ کو درزی کی طرف بڑھایا۔ درزی نے اس کی سونڈ میں سوئی چبھو دی۔ سوئی چبھنے سے ہاتھی کو تکلیف ہوئی۔ وہ زور سے چنگھاڑا اور سونڈ کھینچ لی اور ندی کی راہ پر چل پڑا۔

ندی سے واپس ہوتے ہوئے اس نے ندی کا کیچڑ اپنی سونڈ میں بھر لیا اور لا کر درزی کی دُکان میں ڈال دیا۔ دُکان میں رکھے ہوئے سارے کپڑے خراب ہو گئے۔ درزی کو اپنے کیے کی سزا ملی۔ اسی لیے کسی کے ساتھ کبھی بُرا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔

پانی کی بوند

صباء اور نسرین دونوں سہلیاں ہیں۔ دونوں مدرسہ سے گھر جا رہی تھیں، راستے میں بیر کے درخت کے نیچے بیر گرے ہوئے تھے۔ نیچے جھک کر دونوں بیر اٹھانے لگیں۔ تبھی نسرین نے دیکھا کہ درخت کے نیچے کچھ ہل رہا ہے۔ غور سے دیکھا تو وہاں ایک ننھی چڑیا گری ہوئی تھی۔ پتوں میں لپٹی ہوئی چڑیا اور بھی ننھی جان دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی چونچ کھلی ہوئی تھی۔ پہلے تو نسرین تھوڑی ڈر گئی۔ اس نے صباء کو آواز دے کر بتایا۔ چڑیا کی اس حالت کو دیکھ کر دونوں غمزدہ ہو گئے۔ اتنے میں صباء نے کہا کہ چلو اس کو پانی پلاتے ہیں۔ لیکن میری بوتل تو خالی ہے۔ نسرین کے پاس بھی پانی نہیں تھا۔ اس نے کہا ''جلدی چلو گھر تو پاس میں ہی ہے'' اتنا کہہ کر وہ دونوں بھاگنے لگیں۔ گھر جا کر نسرین نے ایک کٹورے میں پانی لیا اور چڑیا کے پاس پہنچ کر اس کی چونچ میں ایک گھونٹ پانی ڈالنے ہی والی تھی تبھی چڑیا نے آنکھ کھولی اور نسرین نے اس کو پانی پلایا۔ چڑیا پر پھیلا کر اڑ گئی۔

تتلی

ایک باغ میں کئی تتلیاں رہتی تھیں ۔ان میں سے ایک تتلی سفید رنگ کی تھی ۔ وہ ہمیشہ خوش اور مست رہتی تھی ۔ باغ میں جا کر ایک پھول سے دوسرے پھول کا دورہ کر کے شہد جمع کرتی تھی ۔

ایک دن وہ اکیلی ناراض گلاب کے درخت کے پاس بیٹھی تھی ۔ گلاب نے ناراضگی کی وجہ پوچھی' اس نے کہا مجھے میرا سفید رنگ بالکل پسند نہیں ہے۔میں سب کی طرح رنگین کیوں نہیں ہوں' ''بس اتنی سی بات ہے' تم چاہے جس پھول کے پاس جاؤ سب میرے دوست ہیں۔ہم سب تمہیں اپنے رنگ دے دیں گے۔لیکن یاد رکھو! ہمیں تو تم جیسی ہو ویسی ہی پسند ہو۔ہمارے باغ میں جوہی' چمیلی' بیلا' چمپا کے پھول سفید رنگ کے ہیں انہوں نے تو کبھی نہیں سوچا کہ رنگین ہو جائیں ۔ ہم تمہیں تمہارے اچھے اخلاق کی وجہ سے پسند کرتے ہیں ۔

تتلی ہنس پڑی اور اس نے کہا'' مجھے رنگین نہیں ہونا ہے۔تتلی کو پہلے جیسا دیکھ کر باغ کے سارے پھول خوش ہوئے ۔

کنجوس کی چالاکی

ایک کنجوس سامان لانے کے لیے بازار گیا۔ سامان تھوڑی دُور لے جانے پر ہی اس کی سانس پھولنے لگی تو اس نے سامان کو ایک درخت کے نیچے رکھ کر گھر لے جانے کی ترکیب سوچنے لگا۔

بہت سی سواریاں اِدھر سے گزر رہی تھیں، لیکن وہ ایک پیسہ خرچ کرنے کو تیار نہ ہوا۔ تبھی اُس نے دو آدمیوں کو اِدھر سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ اُن میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ ''میرے جیسا پہلوان کوئی نہیں ہے''۔ دوسرا اپنے کو بہت طاقتور بتا رہا تھا۔ کنجوس نے سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ کنجوس اُن لوگوں سے کہنے لگا۔ ''ہوسکتا ہے آپ میں سے کوئی پہلوان ہو، لیکن کوئی ثبوت ہو تب تو۔ میں بھی پہلوانی کرتا ہوں۔ اگر آپ اس سامان کو بغیر تھکے میرے گھر تک پہنچا دیں تو مان لوں آپ کو استاد! ویسے میں تو اسے ایک ہی ہاتھ میں اٹھا لیتا ہوں''۔

اس شخص نے فوراً سامان اُٹھا لیا اور کنجوس کے گھر تک پہنچا دیا اور کہا کہ واقعی ''تم پہلوان نکلے'' اور یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کے اندر چلا گیا۔

روئی کی گڑیا

ایک دن آفرین نے روئی کی گڑیا کو اڑتے ہوئے دیکھا۔ اُسے اڑتے دیکھ کر آفرین کو ہنسی آ گئی۔ آفرین نے اُسے پکڑا نہیں بلکہ اُسے اور اوپر اُڑنے دیا۔ ایسے میں گڑیا کی ملاقات ایک چڑیا سے ہوئی۔

چڑیا گڑیا کو دیکھ کر یہ سوچنے لگی کہ ''ارے ! یہ کون سا بغیر پروں والا پرندہ ہے''۔ گڑیا نے کہا، ''میں ہوں روئی کی گڑیا، میں ہوا میں اُڑتی ہوں اور بیج لیے پھرتی ہوں، جہاں جاتی ہوں بیج بو دیتی ہوں''۔ اُڑتے اُڑتے گڑیا باغ میں جا پہنچی۔ وہاں اُس کی ملاقات تتلیوں سے ہوئی۔ تتلی بولی، ''ارے! یہ کون اُڑ رہا ہے؟'' گڑیا بولی ''میں روئی کی گڑیا ہوں، میں ہوا میں اُڑتی ہوں اور بیج لیے پھرتی ہوں، جہاں جاتی ہوں وہاں بیج بو دیتی ہوں''۔ اتنا کہہ کر گڑیا اور اونچا اُڑنے لگی۔

اسی دوران باغیچے میں کھیل رہے بچے اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے لیکن گڑیا ہنس کر بولی ''میں تمہارے ہاتھ نہیں آنے والی، میں روئی کی گڑیا ہوں مجھے اُڑنے دو۔

ندی کنارے ہاتھی

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہوتے ہی نئے نئے منصوبے بننے لگے۔معلوم ہوا کہ گاؤں میں ندی کے کنارے ''سرکس'' شروع ہونے والا ہے۔سلیم اور کلیم ہاتھی کے بہترین کلاکار تھے۔روز صبح دونوں ہاتھی کو ندی پر نہانے لے جاتے تھے اور خوب مستی کرتے تھے۔ان کے آنے جانے کا وقت بچوں کو یاد ہو گیا تھا۔

بچے روز کھانا لے کر تیار رہتے تھے۔کبھی موسمبی تو کبھی موز، کبھی روٹی تو کبھی چاول، ننھے احمد نے ایک دن پوچھا ہاتھی بھائی! کیا تجھے چوسنے کی گولی دوں؟ بچوں اور ہاتھی کے درمیان اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ایک دن بچے ہاتھیوں سے ملنے ''سرکس'' کو گئے۔ایک ہاتھی کی سونڈ میں ''بیٹ'' اور دوسرے ہاتھی کی سونڈھ میں ''بال'' تھا۔بال پر ہاتھی نے زبردست شارٹ لگایا۔جس سے بال سیدھے عوام کی طرف جا پڑی۔پھر ایک بار بال ڈالی گئی۔اس بار بال بچوں کی طرف گئی۔بچوں کو خوب مزہ آیا۔

پاؤں پر کلہاڑی مارنا

ایک بڑھئی کسی جنگل میں گیا، جہاں اونچے اونچے سایہ دار درخت اپنی مضبوط شاخیں پھیلائے اور سبز پتوں کی چھتریاں لگائے بے کھٹکے جنگل کی ہوائیں کھا رہے تھے۔ بڑھئی نے بہت منت سے درخواست کی اے ہرے بھرے درختو! تمہارا بڑا احسان مانوں گا جو مجھ کو اتنی لکڑی کاٹ لینے دو کہ میری کلہاڑی کے دستے کو کافی ہو۔

درختوں نے کچھ نہ سوچا فوراً اجازت دے دی۔ بڑھئی نے اس بات کو غنیمت جانا اور ایک چھوٹی سی شاخ تراش کر دستہ تیار کرلیا۔ جب کلہاڑی میں دستہ پڑ گیا۔ پھر تو اس نے غضب ڈھایا کہ بڑے بڑے درختوں کو جڑوں سے کاٹ کر پھینک دیا اور جنگل کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔

اس مصیبت کے خوف سے سارے جنگل میں کھلبلی مچ گئی تمام درخت افسوس کر کے کہنے لگے کہ اب کوئی علاج ممکن نہیں، ہم کو اپنی کرتوت کی سزا بھگتنی چاہیے کیوں کہ ہم نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری ہے۔

صبر کا پھل

سلطان پور ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ بہت پہلے کی بات ہے۔ وہاں کے لوگ محنت مزدوری کرتے اور اپنا پیٹ پالتے تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا ایک سال بارش ہی نہیں ہوئی' سُوکھا پڑ گیا۔ کھیتوں میں اناج نہیں ہوا۔ لوگ بُھوکے مَرنے لگے۔ اِسی گاؤں میں ایک زمیندار رہتا تھا۔ اس کا نام رحیم بخش تھا۔ اس کے یہاں کوٹھی میں اناج بھرا ہوا تھا۔ اِس نے چھوٹے چھوٹے بچّوں کُو بھوک سے روتے بلکھتے دیکھا۔ عورتوں کو پریشان دیکھا۔ زمیندار کو ان پر بڑا ترس آیا۔ وہ لوگوں کو روٹیاں بانٹنے لگا۔ ایک دن اس نے جان بوجھ کر ایک روٹی چھوٹی بنوائی۔ جب روٹیاں بٹنے لگیں تو کوئی اس چھوٹی روٹی کو لینے پر آمادہ نہیں ہوا۔

اتنے میں ایک لڑکی آگے بڑھی۔ اس نے کہا ''چچا جان! یہ روٹی مجھے دے دیجیے۔ آج میں اس پر ہی گزارا کرلوں گی''۔ جب وہ گھر گئی اور کھانے کے لیے روٹی کے چار حصّے کیے تو اس میں سے سُونے کی ایک اشرفی نکلی۔ وہ دوڑی دوڑی زمیندار کے پاس گئی اور اشرفی لوٹانے لگی۔ زمیندار نے کہا ''بیٹی! یہ اشرفی تمہارے صبر اور ایمانداری کا انعام ہے''۔

بلّی کے گلے میں گھنٹی

ایک جگہ بہت سے چوہے اکٹھّے رہتے تھے۔ایک بلّی ہر وقت ان کی تاک میں رہتی تھی ۔ روز ایک نہ ایک چوہے کا شکار کر لیتی تھی ۔تنگ آ کر ایک دن سب چوہے مل کر بیٹھے اور بلّی سے بچنے کی ترکیبیں سوچنے لگے ۔کوئی کچھ کہتا تو کوئی کچھ ۔ایک چوہا خود کو بہت عقلمند سمجھتا تھا۔اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ اگر میری ترکیب کے مطابق کام کیا جائے تو آئندہ بلّی کسی چوہے کو نہیں پکڑ سکے گی ۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ بلّی کے گلے میں ایک گھنٹی باندھ دی جائے تا کہ جب وہ ہم میں سے کسی پر جھپٹے تو گھنٹی کی آواز سن کر ہم سب اپنے اِپنے بلوں میں چھپ جائیں ۔سب چوہے یہ ترکیب سن کر بہت خوش ہوئے اور چوہے کی تعریف کرنے لگے۔

ایک بوڑھا چوہا اب تک خاموش بیٹھا سب کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہنے لگا بھائیو! ''ترکیب تو خیر اچھّی ہے لیکن یہ بھی تو طے کر لو کہ بلّی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا''۔ بوڑھے چوہے کی یہ بات سن کر سب چوہے خاموش ہو کر اپنے اپنے بِل میں جا چُھپے۔

مشن بنیاد

آؤ پڑھیں

Aao Padhen

تعلیم ڈائریکٹوریٹ
دہلی سرکار

فروخت کے لئے نہیں

بشکریہ
دہلی پاٹھیہ پوستک بیورو

सत्यमेव जयते

نائب وزیر اعلیٰ

قومی دارالحکومت، دہلی سرکار

یہ ایک کڑوی سچّائی ہے کہ دلّی میونسپلٹی کے پرائمری اسکولوں اور دلّی سرکار کے ثانوی اسکولوں میں پڑھنے والے بہت طالبِ علم اپنی جماعت کی سطح کی درسی کتابوں کو پڑھنے سے قاصر ہیں۔

پچھلے تین سالوں میں، دلّی سرکار نے ایسے کئی اقدام اٹھائیں جن سے جماعت 6 سے 8 کے بچّوں کی تعلیمی سطح میں سدھار آیا۔ اس پہل سے ہمیں اچھے نتائج بھی ملے۔ البتّہ ہم نے یہ بھی جانا کہ ہم سبھی بچّوں کو ان کی تعلیمی سطح تک لانے میں مکمّل طور پر کامیاب تب ہی ہو سکتے ہیں جب ہم پرائمری جماعتوں سے ہی بچّوں کی تعلیم پر توجہ دیں۔

سرکاری اسکولوں میں پڑھ رہے ہر طالبِ علم کو کامیاب ہونے کا ہر طریقے سے موقع ملنا چاہیئے۔ ''کوئی بھی بچّہ پیچھے نہ چھوٹے۔'' یہ یقینی کرنا، ''**مشن بنیاد**'' کی کوشش ہے۔ بچّوں میں پڑھنے کی صلاحیت اور ریاضی کے بنیادی (بیسک) مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بے حد ضروری ہے۔ انہیں صلاحیتوں کی بنیاد پر آگے کی جماعتوں میں اساتذہ دیگر مضامین کو سکھا سکتے ہیں۔

سبھی والدین کے مکمّل تعاون کے ذریعے ہی ''**مشن بنیاد**'' کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے سبھی بچّوں کی روزانہ اسکول آنے کیلئے حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ اہم مضامین اور عنوان کا بہ خوبی علم حاصل کر سکیں۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے قدم سے ہم اپنے بچّوں کی کامیابی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اساتذہ اور والدین ساتھ مل کر سبھی بچّوں کیلئے ایک روشن مستقبل تعمیر کریں گے۔

''**شکشت راشٹر سمرتھ راشٹر**''

نیک خواہشات کے ساتھ

مَنیش سِسودیا

بچوں کی تعلیمی بنیاد کو پختہ کرنے کے مقصد سے مرتب کیے گئے تعلیمی مواد کے تجزیے کے لیے ہم ریاض اختر (گورنمنٹ بوائز سینئر سکنڈری اسکول، سرائے روہیلا) کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم محمد اسعد انور (گورنمنٹ سرووودے بال ودیالے) کے بھی شکرگزار ہیں جنھوں نے اس کتابچے کی تالیف کے فرائض انجام دیے۔

ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن
حکومتِ دہلی

میرے پاس ایک طوطا ہے۔

اُس کا رنگ ہرا ہے۔

اُس کی چونچ لال ہے۔

اور وہ میٹھو میٹھو کرتا ہے۔

عید مبارک ، عید مبارک

چاند دیکھیں ، عید مبارک

گلے ملیں ، عید مبارک

سیویاں کھائیں ، عید مبارک

دن میں سورج چمکتا ہے۔

رات میں چاند نکلتا ہے۔

دن میں گرمی ہوتی ہے۔

رات تھوڑی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

بوند گرتی چھم۔ چھم۔ چھم

بجلی چمکے چم۔ چم۔ چم

پانی برسے ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ

ڈمرو باجے ڈم۔ ڈم۔ ڈم

دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔

درزی کپڑے سیتا ہے۔

نائی بال کاٹتا ہے۔

موچی جوتے سیتا ہے۔

بڑھئی لکڑی چیرتا ہے۔

مور ایک خوبصورت پرندہ ہے۔

جب آسمان میں بادل چھاتے ہیں۔

تب مور اپنے پَر پھیلا کر ناچتا ہے۔

اور سب کا دل بہلاتا ہے۔

ہم ہوائی جہاز میں بیٹھیں گے۔

دور ممالک جائیں گے۔

خوب تفریح کریں گے۔

ساری دنیا دیکھیں گے۔

ہم روز بازار جاتے ہیں۔

وہاں تازی ترکاری ملتی ہے۔

ترکاری ہری ہری ہوتی ہے۔

ترکاری کھانے سے صحت بنتی ہے۔

سب پانی پیتے ہیں۔

پانی سے سب جیتے ہیں۔

جانے کب سے پانی ہے۔

اِس کی بڑی کہانی ہے۔

پھول ہوتے رنگ برنگے۔

تتلیاں ہوتی رنگ برنگی۔

پھول کھلے باغوں میں۔

تتلی منڈلاتی پھولوں پر۔

میرا چھوٹا سا گھر ہے۔

گھر میں ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔

کتاب میں ایک تصویر ہے۔

تصویر میں بہت سے جانور ہیں۔

عامر بازار سے آیا۔

پوچھو پوچھو کیا لایا۔

آلو، گاجر، لال ٹماٹر۔

تم بھی کھالو مزے لے کر۔

آنگن میں ایک پیڑ ہے۔

پیڑ پر ایک گھونسلہ ہے۔

گھونسلے میں دو چوزے ہیں۔

دونوں بہت خوبصورت ہیں۔

چاچا جنگل جاتے ہیں۔

جنگل سے لکڑی لاتے ہیں۔

لکڑی بازار میں بیچتے ہیں۔

میرے لیے نئی کتابیں لاتے ہیں۔

آج فرحت کی سالگرہ ہے۔

فرحت بہت خوش ہے۔

اُس نے دوستوں کو گھر بلایا۔

شربت، چوڑا اور کیک کھلایا۔

پیاری تتلی، پیاری تتلی۔
رنگ برنگی، نیاری تتلی۔
اس کیاری سے اُس کیاری۔
اُڑتی پھرتی ہے پیاری۔

کل ہم نانی کے گھر گئے تھے۔

نانی کا گھر دور تھا۔

ہمیں بس سے جانا پڑا۔

بس میں بہت مزہ آیا۔

ناز آج باغ میں گئی۔

وہاں پھلوں کے درخت تھے۔

اُس نے گھر پر پھل لائے۔

سب مِل کر پھل کھائے۔

چڑیا کتنی پیاری ہے۔

چوں چوں کرتی رہتی ہے۔

دانہ چن کر لاتی ہے۔

اور بچّوں کو کھلاتی ہے۔

میری بلّی پیاری ہے۔

دن بھر گھر میں رہتی ہے۔

میں نے اس کو پالا ہے۔

میاؤں میاؤں وہ کرتی ہے۔